

اردو میں مضمون نگاری کی روایت

Some people are of the opinion that the trend of essay started in Urdu from the inspiration of English literature. In this article it is stated that Fort William College and Dehli College trained their pupils for writing Urdu essays. These two institution had an important role for promotion of Urdu literature.

جدید عہد میں بیشتر اصناف ادب انگریزی ادب کے ذریعے اردو ادب میں روشناس ہوئی ہیں۔ مضمون نگاری کے ضمن میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ اس صنف کا اردو زبان و ادب میں فروغ انگریزی ادب ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں بطور صنف ادب مضمون کے آغاز و ارتقا کا ایک جائزہ لے لیا جائے۔ مضمون نگاری (Essay) کا بانی ایک فرانسیسی ادیب مائیکل ایکوم ڈی مونٹین (Michel de Montaigne) کو قرار دیا جاتا ہے۔ جس نے سب سے پہلے اپنے خیالات فنی پابندیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آزادی سے تحریر کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے مضمون نگاری کا سلسلہ ۱۵۷۱ء میں آغاز کیا۔ اُس کے مضامین کا پہلا مجموعہ ۱۵۸۰ء میں ”بورڈر“ سے جبکہ دوسرا مجموعہ ۱۵۸۸ء میں پیرس سے شائع ہوا۔ جلد ہی مونٹین کے مضامین انگریزی زبان میں ترجمہ ہونے لگے ابتدائی تراجم اطالوی نژاد مترجم جان فلوریو (John Florio) نے کیے۔ ان تراجم کے باعث اس نئی صنف ادب کو انگریزی زبان و ادب میں بہت فروغ حاصل ہوا اور مونٹین کا انداز معروف ہونے لگا۔ انگریزی ادب میں جس ادیب نے مضمون نگاری کا آغاز کیا وہ فرانسس بیکن (Francis Bacon) (۱۵۶۱ء-۱۶۲۷ء) تھا۔ اُس کے مضامین کا پہلا مجموعہ ۱۵۹۷ء میں شائع ہوا اور بڑی سرعت کے ساتھ مقبول ہوا۔ فرانسس بیکن مضمون نگاری میں مونٹین سے متاثر تھا لیکن اس نے شروع سے ہی اپنا ایک الگ راستہ بنا لیا تھا۔

فرانسس بیکن کے عہد میں انگریزی ادب کے لیے معاشرتی اور سماجی مسائل کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے مضمون نگاری کا ارتقاء ہوتا گیا اُس میں موضوعات کا معاشرتی حقائق سے ربط پیدا ہوتا گیا۔

مونٹین کی روایت کو آگے بڑھانے والے مضمون نگاروں میں ابراہم کاولی (Abraham Cowley) (۱۶۱۸ء-۱۶۶۷ء) کا نام لیا جاتا ہے جس کے مضامین کا مجموعہ ۱۶۶۸ء میں شائع ہوا۔ اُس کی زبان آسان اور سادہ ہے۔ اُس نے عالمانہ اسلوب کے بجائے انکشاف ذات کو اہمیت دی ہے۔ اُس کے خیالات فطری اور اُس کا اسلوب رواں ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں انشائیہ کی جو ضروریات بیان کی جاتی ہیں ابراہم کاولی کی تحریروں میں وہ انداز دیکھا جاسکتا ہے۔

مغرب میں جب طباعت و صحافت کی سہولتیں بڑھنے لگیں تو مضمون نگاری کی صنف کو خاص طور پر بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں مضامین لکھنے والے ادیبوں میں نمایاں حیثیت سر رچرڈ سٹیل (۱۶۷۲ء-۱۷۲۹ء) کو حاصل ہے۔ انہوں نے پہلے اخبار ”ٹیلر“ اور بعد ازاں ”سپیکٹیر“ جاری کر کے مضمون نگاری کو روزمرہ زندگی کا حصہ بنا دیا۔ ان رسائل کی اشاعت سے قبل انگلستان میں عام زندگی کا ترجمان کوئی اخبار نہیں تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز تک انگلستان میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ لوگ شہری حقوق کے تصورات سے آگاہ ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے پریس اور صحافت کا کردار بڑھ گیا تھا۔ اخبارات و جرائد کا اس مخصوص عہد میں کردار ہی ایسے (Essay) کے فروغ کا باعث بنا۔ خاص قسم کے جریدی ایسے (مضمون) کے فروغ میں ڈینیئل ڈیفو (Deniel Dafoc) (۱۶۶۱ء-۱۷۳۱ء) کا کردار کلیدی ہے بلکہ جریدی ایسے کا آغاز ہی ڈینیئل ڈیفو سے ہوتا ہے گوکہ ڈیفو کی بنیادی شناخت ایک ناول نگار کی ہی ہے۔ بعد ازاں اُس کے مضامین ٹیلر میں بھی شائع ہوتے رہے۔ اس کے بعد رچرڈ سٹیل نے ”ٹیلر“ (The Tattler) (۱۷۱۱ء-۱۷۰۹ء) اور پھر جوزف ایڈلسن سے مل کر سپیکٹیر (Spectator) (۱۷۱۴ء-۱۷۱۱ء) میں اس انداز کو فروغ دیا۔ بلکہ ان رسائل میں لکھے جانے والے مضامین کے اثرات جلد ہی سارے یورپ میں پھیل گئے۔

انگریزی مضمون نگاری کو فروغ دینے میں جن دوسرے مضمون نگاروں نے کلیدی کردار ادا کیا اُن میں سوفٹ (۱۷۲۵ء-۱۶۶۷ء)، گولڈسمتھ (۱۷۲۸ء-۱۷۷۷ء)، لی ہنٹ (۱۷۸۳ء-۱۸۵۹ء)، چارلس لیب (۱۷۷۵ء-۱۸۳۳ء) اور ولیم ہزلٹ (۱۷۷۸ء-۱۸۳۰ء) شامل ہیں۔ اٹھارویں صدی میں انگریزی مضمون نگاری کو فروغ حاصل ہوا اور اس سے اُس عہد کے لکھنے والوں نے معاشرتی اصلاح کا خوب کام لیا۔ انیسویں صدی میں مضمون نگاری کی صنف کو ان ادیبوں نے بام عروج تک پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں چارلس لیب کا نام اور کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اُس کے مزاج کی سادگی نے اُس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اُس کی تحریر سے منعکس کیا ہے۔ ہمارے ادب میں آج جس ’انشائیہ‘ کا شور و غوغا ہے اُس کی بنیادوں کو درست کرنے میں چارلس لیب نے ہی بنیادی کردار ادا کیا۔

انگریزی مضمون نگاری، جس کا آغاز دراصل فرانسیسی مضمون نگاری سے متاثر ہو کر ہوا، نے بہت جلد انگریزی ادب میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ اٹھارویں صدی میں جہاں مضمون نگاری کے ارتقاء میں نمایاں پیش رفت ہوئی وہیں اُس کی فنی ضرورتوں کا تعین بھی ہونے لگا۔ انیسویں صدی میں مضمون نگاری میں خاصا عروج رہا اور ہر طرح کے موضوعات پر لکھے گئے مضامین کا ایک وافر ذخیرہ انگریزی ادب میں مہیا ہوا۔ جلد ہی انگریزی مضمون نگاری کے اثرات باقی دنیا میں بھی پھیلنے لگے۔ برصغیر کی مخصوص سیاسی سماجی فضا میں بھی مضمون کا آغاز انگریزی مضمون نگاری کے تتبع میں ہی ہوا۔

اردو میں مضمون نگاری کی ایک صورت ابتداء میں ہمیں صوفیا کی نثری تحریروں میں بھی دکھائی دیتی ہے جنہوں نے رشد و ہدایت کی خاطر رسائل لکھے جن کے ذریعے تصوف کی تعلیم دینا مقصود تھا۔ اُن صوفیا کی تحریروں کو کئی اسباب سے باقاعدہ مضمون قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پہلا سبب تو یہی ہے کہ زبان ابھی اپنی ابتدائی شکل میں تھی اور دوسرا سبب یہ ہے کہ صوفیائے کرام مضمون کی تکنیک سے آشنا نہیں تھے لیکن چونکہ کوئی نہ کوئی موضوع اُن کے پیش نظر رہتا تھا جس کی ایک علمی سطح تھی علاوہ ازیں قلبی اور باطنی مسائل کو بیان کرنے کے لیے وہ دلچسپی کے عنصر کو بھی پیش نظر رکھتے تھے لہذا ایک حد تک ہم اُن کی تحریروں کو بھی مضمون کی ابتدائی شکل کہہ سکتے ہیں۔ اردو نثر کے یہ ابتدائی نمونے انہی صوفیا کے ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ ڈاکٹر شہناز انجم اردو نثر کے آغاز و ارتقا کو ان صوفیا سے

منسوب کرتے اور سراہتے ہوئے کہتی ہیں ”سچ تو یہ ہے کہ اردو نثر کے ارتقا میں ان صوفیوں، رشیوں اور جگتوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ جنہوں نے اسے اپنے خیالات کی ترسیل کا اہم ذریعہ بنایا۔“^۱ اردو نثر کا آغاز و ارتقاء شمالی ہند کے بجائے جنوبی ہند اور خصوصاً دکن کی سر زمین سے ہوا۔ دکن میں ہی بعد ازاں مربوط نثر کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری سے لے کر تقریباً گیارویں صدی ہجری تک جنوبی ہند میں اردو نثر میں بہت سے مذہبی رسائل اور تصنیفات ملتی ہیں جنہوں نے اردو نثر کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں دکن کے مخصوص سیاسی و جغرافیائی حالات بھی اردو زبان کے حق میں سودمند ثابت ہوئے اور اردو نظم و نثر کے ایک وافر ذخیرے کا سبب بنے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان مذہبی تالیفات میں ”معراج العاشقین“ کو اولیت حاصل ہے۔

ملا اسد اللہ وجہی (م ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء) کی مشہور زمانہ تصنیف، سب رس، تک اردو نثر کا ارتقاء متواتر ہوتا رہا۔ تاہم زیادہ تر تالیفات مذہبی نوعیت کی ہی تھیں اور اگر کچھ کتب مذہبی موضوعات سے ہٹ کر لکھی بھی گئیں تو بھی ان کا غالب عنصر مذہب ہی ہے۔

اُس عہد کی زبان پر فارسی زبان کا غلبہ تھا۔ تاہم ان تالیفات کو مضمون کے ذیل میں اس لیے بھی نہیں رکھا جاسکتا کہ ان تحریروں میں کسی خاص طوالت کا خیال بھی نہیں رکھا گیا نہ ابھی زبان کے قواعد کے کوئی خاص اصول مقرر ہوئے تھے۔ ابھی اردو نثر ارتقا کے مدارج طے کر رہی تھی تاہم اردو میں جملہ بنانے کی ساخت میں وہی انداز ہے جو فارسی نثر میں ملتا ہے۔ مجمع و مقفیٰ نثر کا رواج عام تھا۔

دکنی روایت میں پیچیدگی ہوئی روزمرہ زبان کی روایت جلد ہی فارسی نثر کے اسلوب سے متاثر ہو گئی اور اردو نثر نگار عبارت آرائی، قافیہ پیمائی، تشبیہ و استعارہ اور دیگر صنائع لفظی و معنوی یعنی تجنیسی ایہام، رعایت لفظی اور مبالغہ آرائی کو ضروری خیال کرنے لگے۔ گویا جو خامیاں فارسی نثر میں تھیں وہ اردو نثر میں بھی در آئیں۔

صوفیا کا تذکرہ ابتدا میں صرف یہ دیکھنے کے لیے کیا گیا ہے کہ انگریزوں کی آمد سے قبل قدیم عہد میں علمی موضوعات پر ایسی تحریریں لکھنے کا آغاز ہو چکا تھا جنہیں ہم کسی نہ کسی سطح پر مضمون تصور کر سکتے ہیں۔ البتہ ایسے مضامین جو مغرب کی دی گئی تعریف پر پورا اترتے ہوں ان کا آغاز دلی کالج (قیام ۱۸۲۵ء) سے ہوا۔

درحقیقت فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام (۱۸۰۰ء) کے ساتھ ہی ہندوستان میں عربی و فارسی زبان و ادب کی اہمیت کم ہونے لگی تھی اور اُس کی جگہ آہستہ آہستہ انگریزی زبان و ادب کے اثرات بڑھنے لگے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک شعری اصناف کے مقابلے میں نثر میں زیادہ تازگی اور قوت نمود کا احساس ہوتا تھا اور اب اُسے عربی فارسی سہارے کی تلاش نہیں تھی۔ اُس عہد کی نثری اصناف کا فروغ یا تو مصنفین کی انفرادی کوششوں کا ثمر تھا یا پھر انھیں مغربی ادب سے اخذ و استفادہ کیا گیا تھا۔ اردو کی جدید نثری اصناف میں عربی فارسی زبان و ادب کی خصوصیات اس قدر نہیں پائی جاتیں جتنا کہ شعری اصناف میں موجود ہیں۔

کسی بھی صنفِ ادب کا ابتدائی دور فنی حوالوں سے تجرباتی دور ہوتا ہے اور اُس میں فنی پختگی نسبتاً کم ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ بعینہ اردو ادب میں بھی مغرب سے آنے والی اصناف مثلاً ناول، افسانہ، ڈرامہ اور تنقید وغیرہ کی ابتدائی شکلیں نہایت نہ سہی البتہ فنی حوالوں سے کمزور ضرور ہیں تاہم اس ضمن میں مضمون کو استثنا حاصل ہے۔ موضوعاتی سطح پر ابتدائی مضمون نگاروں نے اپنے

مضامین کے موضوعات میں مغربی مضامین سے استفادہ کیا مگر بطور صنف ادب مضمون نگاری میں اُس عہد کے مضمون نگاروں نے اپنی مہارت کا ثبوت بہم کیا ہے۔

اس دوران سودا کے نثری دیباچہ کی اہمیت یہ ہے کہ اُس کا موضوع مذہبی نہیں ہے تاہم سودا کی زبان پر عربی و فارسی اثرات گہرے ہیں۔ تشبیہ، استعارہ اور قوافی کے التزام نے عبارت کو دقیق بنا دیا ہے۔ البتہ اُن کے لہجہ میں تسلسل و روانی ہے۔ ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جان گلکرسٹ کی کوششوں سے سلیس اردو نثر کا آغاز ہوا۔^۲ اسی کالج نے اردو نثر کے خالی دامن کو علمی و ادبی موضوعات سے بھی نوازا ہے۔ گلکرسٹ کو اس امر کا شدت سے احساس ہوا کہ اردو زبان میں آسان، سلیس اور مفہوم کے اعتبار سے سمجھ میں آنے والی نثری کتابیں موجود نہیں ہیں۔ لہذا گلکرسٹ کے ایما پر فورٹ ولیم کالج میں سادہ اور آسان زبان میں کافی تعداد میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ جن میں سب سے اہم کام میرامن دہلوی نے انجام دیا۔ البتہ کالج میں انگریزی اثرات کے تحت رائج سادہ اور سلیس نثر کے ردِ عمل میں کالج سے باہر وہی پرانی عبارت آرائی اور نمائشی نثر کا رواج موجود رہا۔ جیسا کہ مرزا رجب علی بیگ سرو کی کتاب ”فسانہ عجائب“ کی عبارت مقشٰی اور مسجع ہے اور اسے خود سرو نے ”باغ و بہار“ کی زبان کے ردِ عمل میں لکھا۔ ”باغ و بہار“ قصے کے آغاز میں لکھا گیا میرامن کا مقدمہ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اردو مضمون نگاری کا، جو انگریزی اثرات کے زیر اثر بعد ازاں آغاز ہوتی ہے، نقطہ آغاز ہے کیونکہ اُس میں مضمون کی دیگر خصوصیات بہم نہیں ہیں۔ البتہ اُس کی نثر سادہ اور آسان ہے۔ تاہم اردو نثر کے فروغ میں اس قصہ اور قصہ کے آغاز میں مقدمہ کی زبان آئندہ فروغ پانے والی زبان کا نقطہ آغاز ہے۔ اردو نثر میں سادہ نثر اور روزمرہ کی زبان کا فروغ فورٹ ولیم کالج سے ہوتا ہے۔ البتہ میرامن کے مقدمہ میں مضمون نگاری کے اثرات موجود ہیں۔ ”فسانہ عجائب“ کے مقدمہ کی زبان وہی ہے جو سرو نے قصے میں استعمال کی ہے یعنی مقشٰی و مسجع عربی فارسی الفاظ کی آمیزش سے پر تصنع زبان۔ البتہ دیباچے میں سرو نے لکھنؤ کی تہذیب کا جو مرقع پیش کیا ہے اس میں مضمون نگاری کے ابتدائی نقوش تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ فقیر محمد گویا نے ”بستانِ حکمت“ میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس میں بھی مضمون نگاری کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔

اردو میں مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز دلی کالج سے ہوتا ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کو سادگی اور سلاست سے آراستہ کیا مگر کالج کا بیشتر کام افسانوی ادب سے متعلق تھا۔ اردو کا دامن اب بھی علمی موضوعات کی حامل تحریروں سے تہی تھا اور یہ کام دلی کالج نے کیا۔ دلی کالج کا بنیادی مقصد جدید سائنسی خطوط پر ہندوستانیوں کو جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ مند کرنا تھا۔ دلی کالج سے اردو زبان میں پہلی بار سائنسی علوم پر مشتمل کتابیں ترجمہ ہو کر شائع ہونے لگیں۔ مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف ”مرحوم دلی کالج“ میں ایسی تمام کتب کی فہرست دی ہے۔ خالص علمی نثر اور جدید مضمون نگاری میں سلیس نثر کا فروغ اسی دلی کالج کی دین ہے۔ اس کالج کے نمایاں اساتذہ میں ماسٹر رام چندر داس اور طالب علموں میں مولوی ذکا اللہ، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد، مولوی احمد علی وغیرہ شامل ہیں۔ دلی کالج میں طلبہ کو جدید مضمون نگاری سے روشناس کرانے کے لیے باقاعدہ مضمون نگاری کے مقابلے ہوتے تھے اور ایک پرچہ امتحانات میں مقالہ نگاری کا بھی ہوتا تھا۔ مثلاً ۱۸۴۶ء کے امتحان میں مقالہ نگاری کے پرچے کے لیے عنوان مقرر کیا گیا تھا۔ ”بالائی (شمالی) ہندوستان پر یلوے کے جاری ہونے سے کیا اخلاقی اثر پڑے گا“ اور مولوی محمد حسین آزاد کو اس موضوع پر

اردو مضمون نگاری جس کا آغاز دلی کالج سے ہوتا ہے اُس کے اولین مضمون نگار ماسٹر رام چندر تھے۔ اردو مضمون نگاری کی ایک اہم محقق سیدہ جعفر کا کہنا ہے۔ ”رام چندر اردو کے وہ پہلے مصنف ہیں جنہوں نے مغربی ادبیات سے متاثر ہو کر اُن کی جاندار ادبی روایات اور توانا ادبی قدروں کو اپنانے اور انہیں اردو زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔“^۴ ڈاکٹر سیدہ جعفر کے اس نظریے سے، کہ رام چندر اردو کے اولین مضمون نگار ہیں، قبل تمام محققین اس امر پر متفق تھے کہ سر سید احمد خاں اردو کے پہلے مضمون نگار ہیں۔ خود سر سید کا بھی یہی خیال تھا کہ مضمون نگاری جو اردو میں نہ تھی اُن کی ایجاد ہے۔ ”اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اردو زبان میں اُن خیالات کو ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے۔“^۵ سر سید کے ایک مداح اور محقق ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا بھی یہی ہے کہ ”اردو میں مضمون نگاری کی صنف کے بانی سر سید ہی تھے۔“^۶ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار جنہوں نے تہذیب الاخلاق سے منتخب مضامین مرتب کیے وہ بھی سر سید کی اولیت کے قائل ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ”اردو ادبیات میں مضمون نگاری انگریزی ادبیات کے زیر اثر انیسویں صدی میں شروع ہوئی اور سر سید احمد خاں اردو میں اس صنف کا باقاعدہ آغاز کرنے والے تھے۔“^۷ اردو زبان و ادب کے ایک اور اہم محقق ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بھی اسی خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ مضمون نگاری میں سر سید ہی کو تقدم حاصل ہے۔ ”اردو میں مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز سر سید احمد خاں سے ہوا۔ انہوں نے مذہبی، سیاسی، ادبی، علمی، معاشرتی، تاریخی، فلسفیانہ اور دیگر موضوعات پر بکثرت مضامین لکھ کر ہم عصر ادیبوں کو ایک نیا راستہ دکھایا۔“^۸ اردو کے بیشتر ناقدین مضمون نگاری میں سر سید ہی کی اولیت کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر حامد حسن قادری بھی سر سید ہی کو مضمون نگاری کا پیش رو سمجھتے ہیں۔

درج بالا تمام اقتباسات اردو کے ثقہ بند نقادوں اور محققوں کے ہیں اور جو بات سمجھ نہیں آتی وہ یہ ہے کہ ان دانشوروں کی نظروں سے دلی کالج کی خدمات کیسے اوجھل ہو گئیں۔ کیونکہ اگر وہ مضمون نگاری کے فروغ میں دلی کالج کی خدمات کا جائزہ لیتے تو یقیناً سیدہ جعفر سے قبل ہی دلی کالج کے مضمون نگاروں سے وہ تمام آگاہ ہو جاتے اور اگر انہوں نے مثلاً ڈاکٹر غلام حسین نے، سیدہ جعفر کے نقطہ نظر سے اتفاق بھی کیا ہے تو ماسٹر رام چندر کو علمی مضمون نگار اور سر سید احمد خاں کو ادبی مضمون نگار قرار دے کر اولیت کا تاج بہر حال سر سید کے ہی سر سجانے کے خواہش مند نظر آئے ہیں۔^۹

ڈاکٹر سیدہ جعفر مضمون نگاری میں سر سید کے تقدم کی قائل نہیں ہیں اور انہوں نے تحقیق سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اردو کے اولین مضمون نگار ماسٹر رام چندر ہیں۔ سیدہ جعفر اس امر پر حیرت کا اظہار کرتی ہیں کہ اردو کے محققین کیسے رام چندر کی تحریروں کو نظر انداز کر گئے اور خود سر سید بھی یہی سمجھتے رہے کہ وہ مضمون نگاری کے مؤجد اول ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ سر سید دلی کالج کی علمی سرگرمیوں سے آگاہ نہیں تھے اور نہ اُن کی دسترس ماسٹر رام چندر کے جاری کردہ جرائد تک تھی۔ ممکن ہے سفر انگلستان سے پہلے سر سید کے لیے مضامین کی یہ نئی طرز کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو اور انگلستان جا کر اُن پر یہ عقدہ کھلا ہو کہ ”لنڈن کے پیغمبروں اور سولائزیشن کے دیوتاؤں سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈلسن“ کے مضامین کی طرز پر ہندوستان میں بھی مضامین لکھ کر کوئی سماجی تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ چونکہ سفر انگلستان سے قبل کی سر سید کی تالیفات فارسی آمیز طرز نگارش لیے ہوئے ہیں۔

رام چندر وہ پہلے ادیب ہیں جنہوں نے انگریزی ادب سے متاثر ہو کر انگریزی کے طرز پر مضامین لکھنے کی کوشش

کی۔ چنانچہ اُن کے مضامین اور اُن کے رسالے ”فوائد الناظرین“ پر تبصرہ کرتے ہوئے گارساں دتاسی نے لکھا تھا۔ فوائد الناظرین۔۔ میں علاوہ خبروں کے مضمون بھی چھپتے ہیں جو انگریزی ذرائع سے ماخوذ ہیں۔^{۱۰}

اس طرح سرسید کا یہ کہنا کہ اُنھوں نے انگریزی مضمون نگاری سے استفادہ کرتے ہوئے اردو میں مضمون نگاری کی نئی طرز ایجاد کی، درست نہیں لگتا۔ کیونکہ اُن سے بہت پہلے رام چندر انگریزی مضمون نگاری سے متاثر ہو کر ہی مضمون لکھ رہے تھے۔ دہلی کالج کی نثری خدمات اور اردو مضمون نگاری کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی بھی رام چندر کو اردو کا پہلا مضمون نگار قرار دینے میں سیدہ جعفر کے ہم خیال نظر آتے ہیں:

اردو میں مقالہ نگاری کا آغاز ۱۸۴۵ء کے آس پاس ہو چکا تھا مگر اس کی مقبولیت کا عہد ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا۔ دہلی کالج کے نصاب میں مختلف مضامین شامل تھے۔ امتحان کے پرچوں میں ایک پرچہ مقالہ نگاری سے متعلق ہوا کرتا تھا۔۔۔ امتحان کے پرچوں میں مضمون نویسی کے علاوہ سالانہ مضمون نویسی کا مقابلہ بھی ہوا کرتا تھا۔۔۔ ان انگریزی اور اردو انعامی مقابلوں میں طلائی اور نقرئی تمغے دیے جاتے تھے ان مقابلوں میں انعام پانے والوں میں مفتی صدر الدین آزدہ نے بھی اردو میں بہترین مقالے کے لیے ایک طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔ دیگر انعام پانے والوں میں ماسٹر رام چندر، موتی لال، مولوی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ، بھگوان داس، خواجہ ضیاء الدین خصوصیت رکھتے ہیں۔^{۱۱}

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی کالج میں اردو مضمون نگاری کے فروغ کے لیے ہر طرح کے وسائل کا استعمال کیا جاتا تھا۔ بہترین مضامین پر طلبہ کو انعامات بھی دیے جاتے تھے، تاکہ مضمون نگاری کا شوق طلبہ میں اُبھارا جاسکے۔ رام چندر پہلے دہلی کالج میں پڑھتے رہے اور بعد ازاں اُسی کالج میں حساب و الجبرا (Math) کے استاد مقرر ہوئے۔ مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد اور مولوی ذکاء اللہ اُن کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی بھی رام چندر کو اردو کا پہلا مضمون نگار قرار دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے:

اردو نثر کی تاریخ میں ماسٹر رام چندر کی اولیت اور قدامت مسلم ہے کہ اُنھوں نے علمی، تاریخی، معاشرتی اور سائنسی موضوعات پر سب سے پہلے مختصر مقالات Essay لکھے۔ اردو مضامین کے ذریعہ سائنسی نقطہ نظر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جدید تہذیب کی برکتوں سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ اور مشرق و مغرب کی اعلیٰ اقدار میں امتزاج پیدا کیا۔^{۱۲}

ماسٹر رام چندر نے نہ صرف یہ کہ علمی و سائنسی مضامین کالج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ترجمہ کیے بلکہ کافی تعداد میں طبع زاد مضامین بھی لکھے۔ چونکہ کالج کی درسی زبان اردو تھی سو یہ تراجم اور طبع زاد مضامین بھی اردو میں ہی تھے۔

مضمون نگاری کے ارتقاء میں طباعت کی سہولتوں اور صحافت کے آغاز کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ طباعت عام ہونے سے مختلف اخبار و جرائد کا آغاز ہوا۔ طباعت کی ان سہولتوں کا سب سے زیادہ فائدہ صحافت کو ہوا۔ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے اردو زبان کا پہلا اخبار ”جام جہاں نما“ جاری ہوا جبکہ دہلی سے ۱۸۳۷ء میں مولوی محمد باقر کا ”اردو اخبار“ (جس میں مولانا آزاد کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا، مولوی محمد باقر، آزاد کے والد تھے) اور سید محمد کا ”سید الاخبار“ (جس میں سرسید کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا۔ سید محمد سرسید

کے بڑے بھائی تھے) جاری ہوئے۔

ماسٹر رام چندر کا ایک پندرہ روزہ جریدہ ”فوائد الناظرین“ ۱۸۴۵ء میں جاری ہوا جبکہ ایک ماہوار رسالہ ”خیر خواہ ہند“ کے نام سے ستمبر ۱۸۴۷ء میں انہوں نے جاری کیا اور اس کا نام نومبر ۱۸۴۷ء میں بدل کر ”محبت ہند“ رکھ دیا۔ ”یہ اردو کا پہلا علمی و ادبی رسالہ تھا جو کم و بیش پچاس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔“ ۱۳ رام چندر کے دونوں پرچے ۱۸۵۵ء میں بند ہو گئے۔ ”محبت ہند“ ہندوستان میں اردو زبان کا پہلا ادبی رسالہ ہے۔ یقیناً اس میں ادبی مضامین ہی شامل ہوا کرتے تھے۔

سر سید احمد خاں نے اپنے بھائی سید محمد کے اخبار ”سید الاخبار“ سے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز کیا۔ چونکہ اُس اخبار کی فائل موجود نہیں ہے اس لیے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ اُس اخبار میں شائع ہونے والی سرسید کی تحریریں کس نوعیت کی تھیں۔ تاہم سرسید کے سفر انگلستان سے قبل کی تحریروں سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُن کا اسلوب یا طرز نگارش روایتی فارسی آمیز ہی ہوگا اور پھر وہ تحریریں صحافتی نوعیت کی ہوں گی۔ تاہم سرسید کی باقاعدہ مضمون نگاری کا آغاز رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ سے ہوتا ہے۔ ”محبت ہند“ کے اجراء کے ۲۳ سال بعد ۱۸۷۰ء میں سر سید احمد خاں سفر انگلستان سے واپسی پر ”تہذیب الاخلاق“ جاری کرتے ہیں۔

ماسٹر رام چندر کے مضامین میں عقلیت پسندی کا غلبہ ہے۔ اپنے عہد کے سیاسی سماجی حالات و رجحانات کی تصویریں ہیں۔ ماسٹر رام چندر نے تقریباً چار سو سے زائد مضامین لکھے۔ ان میں تاریخ، جغرافیہ، کیمیا اور دیگر سائنسی موضوعات پر بھی تحریریں شامل ہیں۔ اُن کے مضامین کی زبان سادہ ہے مگر جملوں کی ساخت قدرے نامانوس لگتی ہے۔ اُن کی نثر میں شکستگی بھی کم ہے اور مضمون لکھنے کا انداز بھی خاصا رسمی ہے۔ رام چندر کے مضامین کا بنیادی مقصد سماجی اصلاح تھا۔ انہوں نے اخلاقی و اصلاحی موضوعات کو علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ شاید وہ ادبی اور علمی انداز میں کوئی تفریق نہیں برتتے تھے چونکہ اردو مضمون نگاری کا آغاز ہی رام چندر سے ہوتا ہے اور اُن کے سامنے کوئی روایت موجود نہ تھی۔

اس عبوری عہد میں رام چندر سے توقع رکھنا کہ وہ خالصتاً ادبی مضامین لکھتے عبث ہے۔ ادبی چاشنی سے تو سرسید کے مضامین بھی عاری ہیں حالانکہ دہلی کالج کے طفیل اردو نثر میں مضمون نگاری کی مستحکم روایت قائم ہو چکی تھی۔ اس امر کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ سرسید نے دہلی کالج میں رائج مضمون نگاری سے کوئی استفادہ نہیں کیا یا پھر اُس کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم اردو مضمون نگاری میں سرسید کی اہمیت مسلم ہے۔ سرسید نے مضمون نگاری میں اہل قلم اور اہل علم افراد کی ایک ہمنام جماعت تیار کر دی تھی۔ سرسید کی تصنیفی زندگی کا آغاز تقریباً ۱۸۳۸ء میں ہوا۔ ۱۸۶۹ء میں وہ انگلستان گئے اور وہاں تقریباً ڈیڑھ برس رہے۔ وہاں اُنھوں نے اسٹیل اور ایڈیسن کے رسائل کا مشاہدہ کیا اور اُن کی معاشرتی، اصلاحی خدمات سے بہت متاثر ہوئے۔ سرسید نے بھی اپنے مضامین میں قوم کے اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھا ہے۔ یعنی وہ ادب کے سماجی کردار کے قائل تھے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کا خیال ہے کہ ”سرسید احمد خاں اردو کے پہلے ادیب ہیں جنہوں نے ادب برائے مقصد کا پرچار کیا اور خوب کیا۔“ ۱۴ سرسید کے بہت بعد میں ترقی پسند تحریک نے ادب برائے زندگی کا منشور دیا گویا ادب میں مقصدیت کی داغ بیل سرسید ہی نے ڈالی تھی اور اس مقصد کے لیے اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ خود لکھا بلکہ اپنے رفقاء کار سے بھی لکھوایا۔ سرسید کے مضامین کو ڈاکٹر غلام حسین نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مذہبی ۲۔ تعلیمی و سیاسی وغیرہ ۳۔ معاشرتی مسائل، مجلسی آداب و تہذیب الاخلاق۔ تیسری قسم کے مضامین ادبی نقطہ نظر سے قابل ذکر ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کے مضامین کو علمی کہا جاسکتا ہے ادبی لحاظ سے انھیں زیر بحث لانا سعی لا حاصل ہے۔^{۱۵}

سر سید کے بعض مضامین میں اختصار، نامتبی اور جزویت مضمون نگاری کے معیار کے مطابق ہیں البتہ ان مضامین میں کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لانے کے بجائے کسی ایک پہلو پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے۔ سر سید کے اکثر مضامین باقاعدہ ادبی مضامین کی صف میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ہاں خیال انگیزی کا عنصر کم ہے اور مصنف اور قاری کے مابین بے تکلفی اور اعتماد کے ماحول کے بجائے سر سید سماج کو ہر قیمت پر اپنی اصلاح پسندی کا قائل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک مصلح ہیں وہ ایک معلم اخلاق ہیں جو دلائل و براہین سے مخاطب ذہنوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے ادیب کے نقطہ نظر کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ سر سید کے مضامین پر ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ایک متوازن رائے ہے:

بائیں ہمہ سید صاحب کے اکثر مضامین میں بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کے سبب ان کو معیاری مضامین کی صف میں جگہ نہیں دی جاسکتی۔ اول تو ان کے تمام مضامین طویل ہوتے ہیں پھر ان میں علمی و اصلاحی معلومات کی بھر مار اس قدر ہوتی ہے اور منصوبہ بندی اتنی سخت ہوتی ہے کہ مضمون پُر لطف نہیں رہتے۔ علمی مقالات یا علمی بحث کے اعتبار سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر مضمون کی سی شکستگی ان میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ سر سید کے مضامین میں بے حد سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اکثر مضامین میں ان کی حیثیت معلم اخلاق کی ہے ادیب کی نہیں۔^{۱۶}

اردو نثر میں جدید علمی و ادبی مضمون نگاری کے فروغ میں سر سید کا کردار بہت اہم ہے۔ سر سید نے اردو نثر کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہر طرح کے موضوعات کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ سر سید نے تو اردو مضمون نگاروں کا ایک ایسا گروہ تشکیل دے دیا تھا جو ان کے اصلاحی مقاصد سے ہم آہنگ تھا۔ اردو مضمون نگاری میں تیسرا اہم نام مولوی محمد حسین آزاد کا ہے۔ آزاد کی تصنیفی زندگی کا آغاز مولوی محمد باقر کے اخبار ”سید الاخبار“ (۱۸۳۷ء) سے ہوا۔ البتہ ان کا پہلا باقاعدہ مضمون دہلی کالج کے مضمون نویسی کے مقابلے میں شامل تھا۔ یہ مضمون ۱۸۳۸ء میں لکھا گیا اور اسے بہتر مضمون خیال کیا گیا جبکہ اگلے سال آزاد نے ”اسلامی اور انگریزی حکومتوں کے تحت آزادی رعایا کے بارے میں کیا فرق تھا؟ کے زیر عنوان مضمون لکھ کر طلانی تمغہ حاصل کیا۔^{۱۷} آزاد کی مضمون نگاری کے بارے میں ڈاکٹر سیدہ جعفر کی رائے نہایت جامع ہے:

آزاد کا طرز نگارش قدیم اور جدید دونوں اسالیب کا ایک خوشگوار اور حسین امتزاج ہے۔ آزاد مغرب کی ترقی، اُس کی مادی اور ادبی برتری سے متاثر ضرور تھے لیکن جس ماحول میں ان کے مزاج اور ذہن نے نشوونما پائی تھی وہ مشرقی تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد کے اسلوب میں جدت طرازی انفرادیت اور ایک نئی لے کے باوجود مشرقی انشا پردازی کے قدیم معیاروں سے وابستگی اور استعارات کی دلکشی، ان کا برجستہ استعمال، الفاظ کا ترنم اور مرکبات کی جھنکار اور انشا پردازی کی صوتی قدریں موجود تھیں۔ سادگی و پرکاری، انداز کا ٹیکھا پن اور مٹھاس تھی۔ اس طرح آزاد کا انداز بیان مشرقی و مغربی انشا پردازی کا ایک نیا سنگم بن گیا۔^{۱۸}

آزاد کے مضامین میں اختصار اور جامعیت ہے۔ اُن کا اسلوب سحر انگیز ہے اگرچہ آزاد کے اکثر مضامین ایڈیٹن اور جانسن کے بعض مضامین کا آزاد ترجمہ ہیں (بالخصوص ”میرنگ خیال“) جس کا اعتراف خود آزاد کو بھی ہے۔ تاہم ترجمہ و استفادہ کے اس عمل میں اُنھوں نے مشرقیت کو برقرار رکھا۔ آزاد کا اسلوب سب سے جدا ہے۔ قدیم و جدید ادب کے گہرے مطالعے نے اُن کے موضوعات کو وسعت اور اُن کے اسلوب کی سحر انگیزی کو بڑھاوا دیا ہے۔ اردو مضمون نگاری کے فروغ میں رفقائے سرسید نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ”تہذیب الاخلاق“ کے اجراء کے بعد اگلے تیس برس رفقائے سرسید کا ہی دور رہا۔ رفقائے سرسید میں مولوی نذیر احمد، علامہ شبلی نعمانی، مولوی ذکا اللہ، مولوی چراغ علی، الطاف حسین حالی، محسن الملک اہم ہیں۔

مولوی ذکا اللہ بھی دہلی کالج میں ماسٹر رام چندر کے شاگرد رہ چکے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں اُنھوں نے ”محاسن اخلاق“ کے نام سے ایک مجموعہ مضامین شائع کرایا تھا جس میں ۷۵ کے قریب مضامین شامل تھے۔ جن میں سے اکثر انگریزی مصنفین کے مضامین سے ماخوذ تھے۔ مولوی ذکا اللہ بھی سرسید کے افادی و مقصدی ادب کی تحریک کے حامیوں میں سے تھے۔ اُن کے اپنے خیال میں بھی مضمون کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس میں کوئی نہ کوئی سنجیدہ مقصد ہونا چاہیے۔ ذکا اللہ کے مضامین کے موضوعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے سماجی اور ادبی تقاضوں کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ سادگی، سلاست، اختصار، عربی و فارسی ثقیل مرکبات سے بچنے کا رویہ اور منطقی حدود کے اندر رہنے کی کوشش اُن کے مضامین کے نمایاں اوصاف ہیں۔ مولوی چراغ علی کے مضامین میں مناظرے کا سانداز ہے۔ ”واقعات کی تنقید اور اُن کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کر کے صحیح نتائج کے استخراج کرنے کا اُنھیں خاص سلیقہ تھا۔“ ۱۹ چراغ علی بھی سرسید کی اصلاحی تحریک سے متاثر تھے۔ اُن کے مضامین بھی ادبی سے زیادہ اخلاقی و اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ ان کا طرزِ تحریر سادہ اور عام فہم ہے۔

مولوی نذیر احمد کا نام اردو نثر نگاری میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اُن کی اصل وجہ شہرت اُن کی ناول نگاری ہے۔ سماج کی اصلاح کرنا اُن کے مضامین کا ہی نہیں ناولوں کا بھی بنیادی مطمح نظر ہے۔ اُن کے مضامین کی تعداد بھی خاصی ہے۔ مولوی نذیر احمد کے مضامین کا ایک مجموعہ شوقِ امرتسری نے ”مولوی نذیر احمد کے مضامین“ کے نام سے مرتب کیا تھا۔ جبکہ بشیر احمد دہلوی نے ”لحیتِ جگر“ کے عنوان سے اردو کے مختلف صاحبِ طرز ادیبوں کے جو مضامین شائع کیے تھے اُن میں بھی نذیر احمد کے مضامین بھی شامل تھے۔ نذیر احمد کے ناولوں کی طرح اُن کے مضامین کا مقصد بھی اصلاحی ہے اُنھوں نے مختلف اخلاقی و سماجی موضوعات کو اپنے مضامین میں برتا ہے۔ مولوی نذیر احمد کی نثر قطعیت اور منطقیت سے مزین ہے۔ عربی فارسی الفاظ کا استعمال اُن کی تحریروں میں عام ملتا ہے۔ البتہ اُن کا طرزِ تحریر رواں ہے اور کہیں اُس میں جھول محسوس نہیں ہوتا۔ بعض انگریزی الفاظ کا استعمال بھی اُنھوں نے بڑی خوبی سے کیا ہے۔ البتہ نذیر احمد کے مضامین گفتگی، رعنائی و شادابی سے تہی ہیں اور بقول سیدہ جعفر ”اکثر جگہ نذیر احمد کا طرزِ تحریر مضمون نگاری کے لیے زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔“ ۲۰

الطاف حسین حالی کا تعلق بھی اردو ادب کے عناصرِ خمسہ سے ہے اور اُن کا اصل میدان سوانح ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اُنھوں نے اردو تنقید کی بنیاد رکھی۔ ”یہ اردو تنقید کی پہلی مبسوط کتاب ہے۔“ ۲۱ حالی کے مضامین زیادہ تر علمی نوعیت کے ہیں۔ وہ مضامین سے مسرت کشید کرنے کے بجائے قوم کی اصلاح پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور اُس کی زبوں حالی کو موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ وہ

بھی سرسید کی اصلاحی تحریک سے متاثر تھے۔ اُن کی نثر میں منطقیت کا دخل زیادہ ہے۔ اُن کے مضامین میں تمثیلی انداز اور خطابِ لہجہ اختصار کی راہ میں حائل ہے۔ ”حالی کی طرزِ تحریر کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کی سادگی اور سلاست ہے۔“^{۲۲}

انیسویں صدی میں ہی مضمون نگاری کی صنف کئی اہم تبدیلیوں سے گزر کر اپنی واضح ادبی شناخت قائم کر لیتی ہے اور جلد ہی جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ باقاعدہ مضمون نگاری کو رواج دینے میں دہلی کالج نے ہی کلیدی کردار ادا کیا۔ جس نوع کی مضمون نگاری کو رواج دینے میں سرسید نے شعوری کوشش کی اُس کا آغاز ماسٹر رام چندر سے ہی ہوتا ہے۔ سرسید کے رفقاء میں سے بھی اکثر دلی کالج کے تربیت یافتہ تھے اور یہ تمام افراد انگریزی ادبیات سے بہت متاثر تھے اور انگریزی مضمون نگاری کی تقلید میں ہی مضامین لکھ رہے تھے۔ تاہم اردو زبان و ادب میں انہی اصحاب کے ذریعے سے سادہ، رواں اور آسان زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ ان کے مضامین پر مقصدیت کا غلبہ ہونے کی وجہ سے سوائے آزاد کے تمام مضمون نگاروں کی زبان میں شکستگی نمایاں نہیں ہو سکی۔

دلی کالج سے باہر کی فضا میں بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا جا رہا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نام ناخدائے سخن مرزا غالب کا ہے۔ غالب کی نثر کے اعلیٰ نمونے اُن کے خطوط کی شکل میں ملتے ہیں جو انہوں نے اپنے احباب کو لکھے۔ ڈاکٹر عطش درانی کا تو خیال یہ بھی ہے کہ ”جدید اردو نثر کی داغ بیل مرزا غالب نے ڈالی ہے۔“^{۲۳} ماسٹر رام چندر ہوں یا سرسید ان کے مضامین کی نثر ذات کے لمس سے نا آشنا ہے لیکن غالب نے اپنے نجی خطوط میں مکالمے کا سا انداز اختیار کیا ہے اور روایتی، مصنوعی اور آرائشی نثر سے اجتناب کرتے ہوئے سادہ انداز میں ایک نیا اسلوب وضع کر ڈالا۔ غالب نے اپنے افکار پریشان کو کسی مخصوص موضوع کے تابع نہیں کیا اور نہ مرتب ہی رہنے دیا ہے۔ البتہ جدید اردو نثر کو غالب نے بے ساختگی، مکالمہ نگاری، سادگی اور برجستگی عطا کی ہے۔ غالب نے اردو کی غیر تخلیقی نثر کو ادبی اسلوب سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار غالب کی زبان و بیان کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں ”جس ادبی اسلوب نگارش کی توقع ایک مضمون نگار سے کی جاسکتی ہے، وہ یقیناً غالب کے ہاں موجود ہے۔ تاہم غالب کے خطوط باقاعدہ مضمون نہیں کہے جاسکتے اور نہ ہی اس نقطہ نظر سے انہیں لکھا گیا ہے۔“^{۲۴}

انگریزی نثر کی سادگی اور قطعیت سے متاثر ہو کر دلی کالج میں اور خصوصاً ۱۸۵۷ء کے بعد اردو نثر میں نشیانی عبارت آرائی، تشبیہ و استعارہ اور مسجع و مقفی نثر کا استعمال ناپسند کیا جانے لگا۔ فورٹ ولیم کالج کی سادہ نویسی کی تحریک کے علاوہ مرزا غالب کے خطوط کی برجستگی اور سادگی نے بھی اردو نثر کو تکلف، تصنع اور آرائش کے بوجھ سے آزاد کرایا۔ خصوصاً مضمون نگاری کے فروغ میں سب سے نمایاں کام سرسید احمد خاں اور اُن کے رفقاء کا ہے جنہوں نے خیالی موضوعات پر عبارت آرائی کے بجائے عصری مسائل پر سادہ اور منطقی انداز میں مضامین لکھ کر اردو نثر اور اردو ادب کے دامن کو وسعت بخشی۔ ”محبت ہند“ اور بعد ازاں ”تہذیب الاخلاق“ کے مضامین کی زیادہ تر نوعیت سنجیدہ علمی و اصلاحی مضامین کی تھی۔ گوکہ غالب کے خطوط نے جدید اردو نثر میں شکستگی کو فروغ دیا مگر باقاعدہ مزاح کا اردو نثر میں آغاز ”اودھ پنچ“ سے خیال کیا جاتا ہے۔

اردو مضمون نگاری میں ”اودھ پنچ“ کے لکھنے والوں کی دین صرف اتنی ہے کہ انہوں نے سنجیدہ مضامین کی فضا میں مزاح کی پھلجڑی چلا دی۔ بطور مجموعی جائزہ لیا جائے تو اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ ”اودھ پنچ“ کے لکھنے والوں نے اپنے دور کی سیاست اور معاشرت دونوں کو ہی طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ سیاسی مسائل پر اُن کے تبصرے اُن کی بے باکی اور صاف گوئی کے مظہر ہیں۔ اودھ پنچ

میں شائع ہونے والے مضامین کے فنی و ادبی مقام کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر بشیر سیفی نے بڑی متوازن رائے دی ہے:

جہاں تک اودھ پنچ کی طنز و ظرافت کے فنی و ادبی مقام کا تعلق ہے اس کی اساس مبالغہ آمیز جملہ بازی اور ایسی رعایت لفظی پر رکھی گئی ہے جسے اعلیٰ درجے کی ظرافت کہنے میں تامل ہوتا ہے۔ تاہم اودھ پنچ کے قلمکاروں کا یہ کارنامہ اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے طنز و مزاح کو باقاعدہ روایت کی شکل دی اور اس سے اجتماعی مسائل و معاملات میں اصلاح کا کام لیا۔^{۲۵}

اودھ پنچ کے اہم لکھنے والوں میں رسالہ کے مدیر منشی سجاد حسین، نواب سید محمد آزاد، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، تربھون ناتھ جگر، جوالا پرشاد برقی اور احمد علی شوق شامل ہیں۔

اردو میں مضمون نگاری کا آغاز انیسویں صدی میں دلی کالج کے قیام سے ہوا۔ اس صنف کو پروان چڑھانے میں ماسٹر رام چندر، سر سید احمد خاں، اُن کے رفقاء اور مولوی محمد حسین آزاد نمایاں ہیں۔ جبکہ بیسویں صدی میں لکھنے والوں کی ایسی نسل سامنے آئی جن کے سامنے علمی و ادبی مضامین کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور انہوں نے اُس سے خوب استفادہ کیا اور اردو مضمون نگاری میں متعدد بہ اضافہ کیا۔ بیسویں صدی کے اوّلین دور میں لکھنے والوں پر سر سید تحریک کے اثرات نمایاں تھے۔ تاہم کچھ لوگوں نے سر سید کی مقصدیت پسندی سے انحراف کا رویہ بھی اپنایا۔ اردو مضمون نگاری جس نے انگریزی مضمون نگاری کی تقلید میں اپنے سفر کا آغاز کیا تھا بہت جلد اپنے عصر کی ترجمان بن گئی۔

حوالہ جات

- ۱۔ شہناز انجم، ڈاکٹر، ادبی نثر کا ارتقاء، پروگنوسکس، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۵۹
- ۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو اصناف کی مختصر تاریخ، مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۸۸
- ۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۷
- ۴۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں اُن کا حصہ، اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، طبع اول، ۱۹۶۰ء، ص ۲۹
- ۵۔ سر سید احمد خاں، مضامین سر سید منتخبات تہذیب الاخلاق، مرتب غلام حسین، ڈاکٹر، مکتبہ خیابان ادب لاہور، طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۱۷
- ۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، سر سید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، مکتبہ کاروان لاہور، طبع اول، ۱۹۶۰ء، ص ۴۳
- ۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۴
- ۸۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۴۸
- ۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۴
- ۱۰۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں اُن کا حصہ، اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، طبع اول، ۱۹۶۰ء، ص ۳۰
- ۱۱۔ ظہیر الدین مدنی، ڈاکٹر، مرتب: اردو لیسیر، مکتبہ جامع لمینڈ دہلی، طبع اول، ۱۹۵۸ء، دیباچہ، ص
- ۱۲۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد احوال و آثار، مجلس ترقی ادب لاہور، اول، ۱۹۷۱ء، ص ۶۳
- ۱۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۴
- ۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۶۴
- ۱۵۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۷

- ۱۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، سرسید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، مکتبہ کاروان لاہور، طبع اول ۱۹۶۰ء، ص ۴۳
- ۱۷۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، مرحوم دہلی کالج، انجمن ترقی اردو طبع سوم، ص ۱۴
- ۱۸۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں اُن کا حصہ، اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، طبع اول ۱۹۶۰ء، ص ۳۹
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۵۷
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۴۲
- ۲۱۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو اصناف کی مختصر تاریخ، مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۹۶
- ۲۲۔ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں اُن کا حصہ، اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن، طبع اول ۱۹۶۰ء، ص ۷۲
- ۲۳۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو اصناف کی مختصر تاریخ، مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۲
- ۲۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب: مضامین سرسید، مکتبہ خیابان ادب لاہور طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص ۱
- ۲۵۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، اردو میں انشائیہ نگاری، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۳